جدید عسکریت؛ تاریخ اور نظریات

اعرف عدوک

ڈاکٹر خالد مسعود

ادارۂ حطین

اعرف عدوک

جدید عسکریت؛ تاریخ اور نظریات

ڈاکٹر خالد مہمند

(پہلی قسط)

افواج کی تنظیم نو

انقلابِ فرانس جدید تاریخِ انسانی کا اہم ترین واقعہ ہے جس کے نتیجے میں یورپ میں قائم پاپائیت، بادشاہت اور جاگیرداریت کا نظام ختم ہو گیا اور اس کی جگہ لادین نظام نافذ ہو گیا۔ کلیسا جو اس وقت یورپ میں اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کا محافظ تھا، اسے ختم کر کے اقتدارِ اعلیٰ عوام کو منتقل کر دیا گیا اور بادشاہت کی جگہ جمہوریت نے لے لی۔ نیز انسان کی زندگی کا مقصد سرمایہ دارانہ ترقی قرار پایا۔

انقلاب فرانس کے بعد پیدا ہونے والے معاشرتی خلاء میں ایک بڑا مسئلہ شاہی افواج کا تھا۔ شاہی سپاہی بادشاہ کو 'ظل اللہ' سمجھ کر لڑتے تھے۔ اس کی شکست کو وہ اپنی شکست گردانتے تھے اور اس کی خاطر جان دینا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ لیکن اب کے لادین انقلاب میں اس قسم کے نظریات کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ امر بھی مسلم تھا کہ کسی بھی فوج کو ایک واضح نظریے، اپنے اصولوں پر پختہ یقین اور باہمی مضبوط جتھہ بندی کے بغیر جنگ پر نہیں ابھارا جا سکتا۔ ایسی حالت میں یورپی ریاستوں کو اپنی افواج کے لیے کسی ایسے نظریے کی ضرورت تھی جو انہیں متحد اور زندہ رکھ سکے۔ مغرب کو درپیش سوال کا جواب پروشیا کے 'کلازوِٹ' نامی ایک جرنیل نے دیا۔

کلازوِٹ کے نظریۂ جنگ کو جدید وطنی فوجوں (national armies) کی تشکیل کے تمام نظریات میں 'بائبل' کی سی حیثیت حاصل ہے۔ اہلِ مغرب اور ان کے اندھے مقلدین کلازوِٹ کو جدید عسکریت کا 'نبی' کہتے ہیں۔ ۱۷۹۲ء میں کلازوِٹ فرانس کے خلاف جنگوں میں برسرِ پیکار پروشین فوج کا جرنیل تھا، اور بعد میں روسی فوج میں شامل ہو گیا۔ یہ وہ دور تھا جب یورپ انقلابِ فرانس کے نتیجے میں پاپائیت اور بادشاہت دونوں سے ہی جان چھڑا چکا تھا۔ اسی دور میں کانٹ نے سرمایہ دارانہ اور کارل

مارکس نے اشترا کی نظریہ پیش کیا تھا۔

کلازوٹ کے نظریات اس کی زندگی میں منظر عام پر نہ آسکے۔ ۱۸۳۲ء میں وہ بیمار ہوکر مر گیا۔ اس کی موت کے بعد اس کی بیوہ نے ان نظریات کو کتابی شکل دے کر شائع کیا مگر اس کے باوجود اسے کوئی خاطر خواہ شہرت نہ ملی۔ ۱۸۷۱ء میں فرانس کے بادشاہ نپولین سوئم نے آسٹریا پر حملہ کیا۔ اس جنگ میں آسٹریائی فوج کی کمان کلازوٹ کے لائق ترین شاگرد جنرل مولٹکی کے ہاتھ میں تھی جس نے آسٹریا کی فوج کو کلازوٹ کے نظریات کے مطابق منظّم کیا تھا۔ فرانس کو اس جنگ میں عبرت ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ آسٹریا کی کامیابی سے سارا یورپ چونک گیا اور جب معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ کلازوٹ کے نظریات کا کمال ہے تو پورے یورپ نے ان نظریات کے مطابق اپنی افواج کی تنظیم نو شروع کر دی۔

اس وقت تک امتِ مسلمہ اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ ان نظریات سے متاثر ہو کر سلطنتِ عثمانیہ نے جنرل مولٹکی کو اپنی افواج کی تنظیم نو کے لیے مقرر کیا۔ دوسری طرف استعماری طاقتوں نے بھی نو آبادیاتی علاقوں کی افواج کو انہی نظریات پر منظّم کیا۔ گویا ہندوستان پر قابض برطانیہ اور الجزائر پر قابض فرانس نے وہاں کی افواج کو انہی نظریات کے مطابق ڈھالا۔ اور اس طرح ستر سال سے کم عرصہ میں تقریباً تمام ممالک کی افواج کی تشکیلِ جدید کلازوٹ کے نظریات کے مطابق ہوگئی یہاں تک کہ ان جدید قومی افواج کا نام ہی 'افواجِ کلازوٹ' پڑ گیا۔ **ہمارے لیے اخذ کرنے کی بات یہ ہے کہ روس کے خاتمے کے بعد اب تقریباً تمام ہی محاذوں پر ہمارا مقابلہ کلازوٹ کی افواج سے ہے۔ امریکہ اور یورپ کی افواج ہوں یا ہماری گردنوں پر مسلط مقامی افواج......سبھی کا بنیادی فلسفہ اور اساسی نظریات ایک ہیں۔ شاید یہ اسی فکری و اعتقادی قربت کا نتیجہ ہے کہ یہ تمام افواج اسلام کو مٹانے کے یک نکاتی منصوبے پر بآسانی متحد ہوگئی ہیں اور عملاً ایک عالمی دجالی فوج بن کر امتِ مسلمہ پر ٹوٹ پڑی ہیں۔**

کلازوٹ کے نظریات کیا تھے؟......اس کا جائزہ ان شاء اللّٰہ ذرا آگے چل کر لیں گے۔ آیئے پہلے جدید عسکریت کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

جدید عسکریت کی تاریخ

پہلی جنگِ عظیم (امتِ مسلمہ کا شیرازہ) ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء

پہلی جنگِ عظیم شروع ہونے کی فوری وجہ آسٹریا کے ولی عہد کا سربیا میں قتل ہونا تھا۔ جب قاتل

گرفتار نہ ہوئے تو آسٹریا نے سربیا کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ جرمنی اور سلطنتِ عثمانیہ نے آسٹریا کی حمایت کی جبکہ فرانس اور روس نے جرمنی کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ پھر برطانیہ اور بعد میں امریکہ بھی اس محاذ میں شامل ہو گئے۔ اس جنگ کے نہایت دور رس نتائج برآمد ہوئے۔ ان میں خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ، اسرائیل کا قیام، 'لیگ آف نیشنز' کے نام سے اقوامِ متحدہ نما عالمی ادارے کی تشکیل اور جرمنی کے خطرے کو روکنے کے لیے اس کی معاشی ناکہ بندی شامل ہیں۔ اگر نتائج پر غور کیا جائے تو ان میں سے بیشتر دراصل صلیبی صہیونی دشمن کے مقاصد تھے جو اس نے اس جنگ سے حاصل کئے۔ جنگ یورپی ممالک کے درمیان تھی اور نقصان امتِ مسلمہ کا ہوا۔ کیا یہ محض اتفاق تھا یا کہ یہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوا؟ کیا دشمن نے پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایسے اقدام کئے یا کہ اس نے حالات سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے منصوبے کی تکمیل کی؟ جواب جو بھی ہو، دونوں صورتوں میں دشمن کے مقاصد ہی کی تکمیل ہوئی۔ دشمن کو علم تھا کہ خلافتِ عثمانیہ کو راستے سے ہٹائے بغیر نہ تو 'آزاد منڈی کی معیشت' (Free Market Economy) قائم ہو سکتی تھی، نہ اسرائیل کی صہیونی ریاست بن سکتی تھی اور نہ ہی کفر کی عالمی حکومت کا منصوبہ پورا ہو سکتا تھا۔

جنگ کے اختتام پر جرمنی کو 'معاہدۂ وارسا' (Warsaw Packt) کے تحت فرانس کو بھاری تاوانِ جنگ ادا کرنے کا پابند کیا گیا۔ اس وقت کے سیاسی اور عسکری مبصرین نے معاہدے کی شرائط کے پیشِ نظر یہ پیشین گوئی کی تھی کہ اتحادیوں کی یہ حرکت ایک اور جنگِ عظیم کا پیش خیمہ ثابت ہو گی۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔

یہاں یہ امر ذہن نشین رہے کہ اس جنگ میں فتح کلازوٹ نامی جرنیل کے عسکری نظریات کی مرہونِ منت ہے جن کے بغیر یہ نتائج حاصل کرنا ممکن نہ تھے۔ ان نظریات کی وضاحت ہم آئندہ کریں گے۔

دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹-۱۹۴۵ء)

دوسری جنگِ عظیم چھڑنے کی وجہ خود پہلی جنگِ عظیم ہی تھی۔ جب جرمنی نے فرانس کو تاوانِ جنگ ادا کرنے میں تاخیر کی تو فرانس نے 'معاہدۂ وارسا' کی رو سے جرمنی کے نوے (۹۰) فیصد کوئلے کے ذخائر پر قبضہ کر لیا، جس کی وجہ سے جرمنی کے معاشی حالات ابتر ہو گئے۔ ان حالات میں 'ہٹلر' برسرِ اقتدار آیا۔ اسے یہ نظر آ رہا تھا کہ اگر جرمنی نے 'معاہدۂ وارسا' کی پاسداری کی تو عنقریب وہ صفحۂ ہستی سے مٹ جائے

گا، لہٰذا اس نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی فوج میں بے پناہ اضافہ کیا۔ پھر پہلے رائن (Rhine) پر قبضہ کر کے کوئلے کے ذخیرے واپس لیے اور اس کے بعد بلجیم اور پھر پولینڈ پر قبضہ کیا۔

جرمنی کا پولینڈ پر قبضہ کرنا تھا کہ برطانیہ اور فرانس جنگ میں کود پڑے اور اس طرح دوسری جنگِ عظیم کا آغاز ہو گیا۔ اس جنگ میں اٹلی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ جرمنی نے پولینڈ کے بعد فرانس اور اس کے بعد ناروے پر بھی قبضہ کر لیا۔ مغربی یورپ کے بعد جرمنی نے اپنا رخ مشرقی یورپ کی طرف کیا۔ روس پر تین مرتبہ حملہ کیا مگر شدید موسمی حالات کی وجہ سے موسکو پر قبضہ نہ کر سکا اور یہیں سے اس کی شکست کا آغاز ہوا۔ روس پر حملے کے ساتھ ہی اس نے برطانیہ کے زیرِ قبضہ مصر پر بھی اٹلی کی مدد سے حملہ کر دیا۔

جرمنی کی ان فتوحات کے سامنے جب ۱۹۴۱ء میں برطانیہ کی شکست یقینی نظر آنے لگی تو امریکہ اس کی مدد کے لیے میدان میں آیا۔ جبکہ جاپان نے امریکہ سے دشمنی کی بنا پر جرمنی کا ساتھ دیا۔ اس طرح ایک جانب برطانیہ، فرانس اور امریکہ کا اتحاد بن گیا اور دوسری جانب جرمنی، اٹلی اور جاپان کا۔ جبکہ روس کسی اتحاد میں شامل ہوئے بغیر جرمنی کے خلاف لڑتا رہا۔ جرمنی کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے بیک وقت مختلف سمتوں اور مختلف دشمنوں کے ساتھ محاذ کھول دیا۔ ان حالات میں وہ جنگ کو زیادہ دیر تک برقرار نہ رکھ سکا۔ اسی جنگ میں امریکہ نے جاپان پر ایٹم بم گرایا۔ روس کے ہاتھوں جرمنی کی شکست نے اتحادیوں کو چاروں اطراف سے جرمنی پر حملہ کرنے کا موقع دیا۔ اس جنگ میں مغربی اتحادیوں نے برطانوی ماہر حرب لڈل ہارڈ کے نظریۂ بلا واسطہ رسائی (Indirect Approach) کو اپناتے ہوئے بھاری اسلحہ استعمال کیا اور جرمنی کو لڑکھڑانے پر مجبُور کر دیا۔ بالآخر جرمنی ہار گیا۔ مغرب اس جنگ کو 'فاشزم' کے مقابلے میں 'سرمایہ دارانہ نظام' کی فتح قرار دیتا ہے۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد عملاً یہود اور یہود نواز مغرب کو وہ اہم نتائج حاصل ہو گئے جن کے خواب وہ دیکھ رہا تھا۔ ان میں اقوام متحدہ کا قیام، ریاستِ اسرائیل کی باضابطہ منظوری، بریٹن وُڈ کا نیا عالمی مالیاتی نظام، جرمنی اور اٹلی کے فاشزم کا خاتمہ شامل تھے۔

روس اور امریکہ کی سرد جنگ (۱۹۴۵-۱۹۹۱ء)

دوسری جنگِ عظیم میں چونکہ روس اور مغربی ممالک دونوں جرمنی اور اس کے اتحادیوں کے ڈسے ہوئے تھے، اس لیے یہ ایسے جانور بن گئے جو جنگل میں طوفان آنے پر ایک ٹیلے پر جمع ہو جاتے ہیں اور

جیسے ہی طوفان تھم جائے ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ مغرب اور روس کے درمیان بعینہ یہی ہوا۔ جیسے ہی دوسری جنگ عظیم میں جرمنی اور اس کے اتحادیوں کا خطرہ ختم ہوا تو امریکہ کے مقابلے میں روس نے بھی ایٹمی دھماکہ کر دیا جسے امریکہ نے اپنی قومی سلامتی کے لئے خطرہ قرار دیا۔ یوں دنیا ایک نئی طرز کی جنگ میں داخل ہوگئی۔ اس جنگ کے کئی پہلو ہیں لیکن خاص بات یہ ہے کہ دونوں 'بڑی طاقتیں' آمنے سامنے آنے کی بجائے محاذِ جنگ کو اپنے سے دور چھوٹے ممالک کی طرف منتقل کرنے لگیں۔ اس جنگ کی دوسری خاص بات دونوں ممالک کی عالمی دنیا میں زیادہ سے زیادہ اتحادی بنانے کی دوڑ تھی۔ روس نے بلا واسطہ توسیع پسندانہ حکمتِ عملی اپنائی اور اس کے تحت مشرقی یورپ پر قبضہ کیا اور جنوبی ایشائی ممالک پر حملے کرنے لگا۔ نیز روس اپنی توسیع پسندانہ حکمتِ عملی کے تحت مختلف ممالک میں طبقات کی جنگ شروع کراتا اور پھر اپنے اتحادی مزدور طبقے کی مدد کرتے ہوئے اسے غالب کر دیتا، جیسا کہ اس نے شمالی کوریا اور ویتنام میں کیا۔

روس کے ان اقدامات سے مغرب اور امریکہ بہت خائف تھے۔ روس کی اس حکمتِ عملی کے خلاف امریکہ نے جو حکمتِ عملی اپنائی اسے 'محدود کرنے کی حکمتِ عملی' کہتے ہیں۔ اس حکمتِ عملی پر عملدر آمد کے لئے امریکہ نے دو طریقے اپنائے؛ ایک سیاسی اور دوسرا عسکری۔

ا۔ سیاسی طریقے کے تحت امریکہ نے یورپ، مشرقِ وسطیٰ اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کے مختلف اتحاد قائم کئے۔ یوں نیٹو اور سیٹو سینٹو وغیرہ اتحاد وجود میں آئے۔ نیز اس وقت کے امریکی صدر ٹرومین نے ایک لائحہ عمل تیار کیا جسے 'ٹرومین پلان' کہتے ہیں۔ اس منصوبے کے مطابق امریکہ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ جنوب ایشیائی ممالک کو فوجیں بنانے کے لیے بڑی امداد دے گا تا کہ وہ روس کا مقابلہ کرسکیں۔ اس امداد کو وہ ''منصوبہ برائے باہمی فوجی تعاون'' (Mutual Military Assistance Program) کہتے تھے۔ اس وقت بھی اس جنگ کو ٹرومین نے 'مورَل کروسیڈ' یا 'اخلاقی صلیبی جنگ' کا نام دیا تھا۔ امریکہ کے اس منصوبے میں جو ملک نمایاں کردار ادا کرتا، اسے وہ 'صفِ اوّل کا اتحادی' قرار دیتا۔ اس وقت بھی جو ممالک امریکہ کے صفِ اوّل کے اتحادی بنے، ان میں پاکستان سرِ فہرست تھا۔ جبکہ بھارت اس منصوبے کا حصّہ نہ بنا کیونکہ وہ روس کی طرف مائل تھا۔ پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خان اور اس کے بعد جنرل ایوب نے امریکہ کی منت سماجت کر کے اپنے آپ کو اس دور کی 'اخلاقی صلیبی جنگ'

میں امریکہ کا اتحادی بنایا۔ اس نے امریکہ کو اپنی سرزمین پر ہوائی اڈے بھی فراہم کئے اور مشہور جاسوسی جہاز 'یوٹو' انھی اڈوں سے اڑتا تھا۔ (پس یہ سمجھنا قطعی غلط ہوگا کہ پاکستانی فوج اصلاً بہت 'اچھی فوج' تھی اور اس نے گیارہ ستمبر کے بعد انحراف کی راہ اختیار کی ہے۔ یہ فوج تو ہمیشہ ہی سے امریکہ اور عالمی کفر کی وفادار خادم اور معتمدِ خاص رہی ہے...... ہاں، ہماری آنکھیں شاید ذرا دیر سے کھلی ہیں!)

۲۔ عسکری میدان میں امریکہ کا مقصد پوری دنیا کے گرد ایک گھیرا قائم کرنا تھا۔ اس کے تحت مشرقی یورپ میں مستقل فوجی اڈے قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو بعد میں نیٹو کی شکل اختیار کر گیا۔ اسی دوران اشتراکی شمالی کوریا نے جنوبی کوریا پر حملہ کر دیا۔ امریکہ نے اسی حکمتِ عملی کے تحت اس جنگ میں براہِ راست اپنی فوجوں کو داخل کیا۔ اس کے نتیجے میں امریکہ کا سب سے بڑا فوجی اڈہ جنوبی کوریا میں بنا۔ اسی دوران امریکہ نے زعم میں آ کر کمیونسٹ ویتنام پر بھی حملہ کر ڈالا، مگر روس نے ویتنام کے اشتراکی حریت پسندوں کی بھرپور مدد کر کے ویت نام کو امریکہ کے لیے دلدل بنا دیا۔ اس جنگ سے امریکہ خالی ہاتھ نکلا بلکہ اسے الٹا بھاری نقصان اٹھا کر ۱۹۶۹ء میں اپنی فوجوں کو واپس بلانا پڑا۔

ساٹھ کی دہائی میں فرانسیسی جرنیل اینڈرے بیوفری نے اپنا مشہور نظریہ پیش کیا جس کی تفصیلات ان شاءاللہ ہم کسی اور موقع پر بیان کریں گے مگر ان نظریات کے تحت پھر سے امریکہ نے اپنی افواج کی تنظیم نو کی۔ اس نظریے کے مطابق روس کی طاقت کو تین طریقوں سے قابو کیا جانا تھا۔

اولاً، رعب قائم کیا جائے، تاکہ دشمن سرے سے کوئی قدم اٹھانے سے ہی گریز کرے۔ اسے ''Deterrence'' کا نظریہ کہا جاتا ہے۔

ثانیاً، اگر رعب کافی ثابت نہ ہو تو اتنی طاقت اور صلاحیت موجود ہو کہ پیش بندی کی کارروائی کر کے دشمن کو اپنے مقاصد حاصل کرنے سے باز رکھا جا سکے۔ اسے ''Pre-emptive Doctrine'' کہا جاتا ہے۔

ثالثاً، دشمن کے گرد حصار قائم کیا جائے، تاکہ وہ اپنے آپ کو زیادہ پھیلا نہ سکے اور نفسیاتی طور پر بھی خود کو محصور سمجھے۔

انھی نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے امریکہ نے اپنی فوج کی تنظیم نو کی اور اسے دنیا کی باون مختلف جگہوں پر تعینات کر دیا۔ اس طرح دنیا کے گرد امریکہ نے ایک عسکری حصار قائم کیا۔

اسی دوران ساٹھ کی دہائی میں روس کو ایک ہزیمت اٹھانی پڑی جب اس نے اپنی ترتیب نو میں کیوبا میں میزائل لگانے کی کوشش کی تو امریکہ نے ایٹمی جنگ کی دھمکی دی۔ اس پر روس کو اپنے منصوبے سے دستبردار ہونا پڑا، جسے 'کیوبا کا میزائل تنازعہ' (Cuban Missile Crisis) کہا جاتا ہے۔ پھر ۱۹۷۹ء میں روس...... جو اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو پورا کرنے کے لیے گرم پانیوں کا متلاشی تھا...... افغانستان میں داخل ہوگیا جس کا مقصد گوادر کے ساحل تک رسائی حاصل کرنا تھا۔ اس طرح افغانستان کا عملی جہاد شروع ہوا۔ جہادِ افغانستان دراصل تاریخ کا ایک فیصلہ کن موڑ ہے جب پوری دنیا میں احیائے اسلام کی تحریکیں ایک مرکز پر اکھٹی ہوئیں اور روس کے خلاف جنگ شروع کردی۔ امریکہ اور پاکستان نے جب یہ دیکھا کہ مجاہدین کھڑے ہوگئے ہیں جنہوں نے روس کے سامنے بند باندھ دیا ہے، تو انہوں نے اپنے مفادات کے حصول کے لیے مجاہدین کے ساتھ تعاون کیا۔ اس کے نتیجے میں روس کو شکست ہوئی اور یوں ۱۹۹۱ء میں سوویت اتحاد ''یو ایس ایس آر'' ٹوٹ گیا اور سرد جنگ کا خاتمہ ہوا جس سے دنیا یک قطبی دور میں داخل ہوگئی۔

۱۹۹۱ء میں سرد جنگ بظاہر ختم ہوگئی مگر اس دوران ہونے والے واقعات سے امتِ مسلمہ کے سامنے دشمن کا اصل چہرہ ظاہر ہوا۔ سرد جنگ دراصل دنیا کے گرد امریکہ کا عسکری اور معاشی گھیرا قائم ہونے کا نام ہے۔ روس کے ختم ہوتے ہی صہیونی صلیبی اتحاد کی راہ میں اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے مجاہدینِ اسلام کے علاوہ کوئی اور رکاوٹ باقی نہ رہی۔ اور اب وہ حکمت عملی جو امریکہ نے سرد جنگ میں روس کے خلاف اپنائی تھی، وہی مجاہدین کے خلاف استعمال ہونے لگی۔

اب ہم جدید عسکریت کے اہم نظریات بیان کرتے ہیں۔

جدید عسکریت کے نظریات

قدیم زمانے میں جنگیں زمین پر ہوا کرتی تھیں، پھر جنگوں نے زمین سے نکل کر سمندر کا رخ کیا اور اب جدید زمانے میں فضائی میدان بھی شامل ہوگیا۔ بلکہ اب تو بات اس سے بھی بڑھ کر خلائی میدان اور انٹرنیٹ کی جنگوں (cyber wars) تک جا پہنچی ہے۔ ان تمام میدانوں کی اہمیّت اپنی جگہ مگر جدید تاریخ نے یہ ثابت کیا کہ کسی بھی عالمی طاقت کے لیے بحری قوت کی اہمیّت ابھی بھی سب سے بڑھ کر ہے۔ مغرب نے اسی حقیقت کے پیشِ نظر گزشتہ چار سو (۴۰۰) سالوں میں اس قوت کو مضبوط کرنے پر

خصوصی توجہ دی ہے۔

بدقسمتی سے امتِ مسلمہ سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے ساتھ ہی دنیا کے سمندروں سے غائب ہوگئی اور طاغوت کے گھیرے میں آ گئی۔ اس گھیرے کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ہم یہاں جدید عسکری نظریات کو مختصراً بیان کریں گے اور یہ دیکھیں گے کہ ان کے اثرات ہماری امت پر کس طرح مرتب ہوئے۔ انہی نظریات کو سمجھنے سے ہمیں روس اور امریکہ کے مابین سرد جنگ کی حقیقت بھی اپنی تمام تر گہرائیوں سمیت سمجھ آ سکے گی۔

انقلابِ فرانس کے بعد جدید عسکریت کا مطالعہ کرنے کے لیے تین قسم کے عسکری نظریات کا جاننا ضروری ہے۔

...... وہ نظریات جو یورپ میں پاپائیت اور بادشاہی نظام ختم ہونے کے بعد جدید فوجوں کی از سرِ نو تنظیم کے لیے پیش کیے گئے۔ ان میں کلازوِٹ کا نظریۂ جنگ اہم ترین ہے جس کے نتیجے میں جدید 'وطنی افواج' یا بالفاظِ دیگر 'کلازوٹ افواج' وجود میں آئیں۔

...... وہ نظریات جن کی بدولت مغرب نے تمام دنیا کو اپنے شکنجے میں پھنسایا اور عالمی نوآبادیاتی نظام تشکیل دینے میں کامیاب ہوا۔ ان میں 'موہان کا بحری نظریہ' نہایت اہم ہے۔

...... تیسرے وہ نظریات جو مغرب اپنے جنگی معرکوں میں اپناتا ہے۔

کلازوٹ کا نظریۂ جنگ

کسی بھی فوج کے لئے اہم ترین چیز اس کا نظریۂ جنگ ہوتا ہے۔ اسی نظریے کی بنیاد پر فوج کے سپاہی لڑتے ہیں اور اپنی جانیں قربان کرتے ہیں۔ نظریۂ جنگ دراصل چند سوالات کے مجموعے کا نام ہے۔ مثلاً

...... جنگ کیا ہے؟ انسان جنگ کیوں کرتا ہے؟

......انسان جنگ کا حوصلہ کہاں سے حاصل کرتا ہے؟

......ایک انسان اپنے جیسے دوسرے انسانوں کو کیوں قتل کرتا ہے اور اس کی اجازت کون دیتا ہے؟

......کون سی جنگ حق اور کون سی ناحق ہوتی ہے؟

...... جنگ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار کس کو حاصل ہے؟ وغیرہ۔

اللہ واحد و یکتا پر ایمان رکھنے والے بندۂ مومن کے لئے اس کا ایمان وعقیدہ اور دین ہی ان سوالات

کے جواب کو کافی ہے۔ لیکن جب فرانس کے لادین انقلاب کے بعد اہلِ مغرب نے اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کیا تو انھیں اپنے سپاہیوں کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے ان سوالات کے جوابات دینے تھے۔ سو یہ کام ان کے لئے کلازوٹ نے سرانجام دیا۔ اور آج دنیا میں رائج لادین نظام کے تحت تمام ریاستی افواج (چاہے وہ مسلم اکثریتی ممالک ہی کی کیوں نہ ہوں) کلازوٹ کے بیان کردہ نظریۂ جنگ پر قائم ہیں اور اسی کی بنیاد پر جنگ کرتی ہیں۔ آیئے! ذرا تفصیل سے دیکھتے ہیں:

کلازوٹ کے بیان کردہ مقاصد

فوجوں کی تنظیمِ نو کے دوران کلازوٹ کے سامنے مندرجہ ذیل مقاصد تھے:

۱۔ شاہی فوج کو وطنی فوج میں ڈھالنا۔

۲۔ شاہی سپاہی سے وطنی سپاہی (سولجر) بنانا۔

۳۔ نظریۂ جنگ تبدیل کرنا۔

۴۔ انتظامی ڈھانچے کو نئے نظریے کے مطابق ڈھالنا۔

کلازوٹ کے نظریات

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کلازوٹ نے درج ذیل اہم نظریات پیش کئے۔

☆ جائز قوت (Just Force)

کلازوٹ کے نزدیک جمہوری ریاست وہ واحد 'جائز قوت' ہے جو جنگ کا حکم دے سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور جائز قوت نہیں جو جنگ کا حکم دینے کا حق رکھتی ہو۔ نہ رب، نہ دین، نہ شریعت، نہ علماء...... نعوذ باللہ ان میں سے کوئی یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ جنگ کرنے کا حکم دے۔

☆ جنگ؛ ریاستی پالیسی کا تسلسل

کلازوٹ کے نزدیک 'جنگ' ریاستی سیاست کا ایک آلہ یا ریاستی پالیسی کے تسلسل کا نام ہے۔ یہ اسی نظریے کا نتیجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ امتِ مسلمہ کی تمام افواج ہر قسم کی قوت وصلاحیت رکھنے کے باوجود اللہ کے حکم کے تحت جہاد کرنے کی بجائے جمہوری ریاست کے اوامر تلے اور ریاستی مفادات کے تحفظ کی خاطر جنگ کرتی ہیں۔ پس اگر شریعت کہیں قتال کا حکم دے مگر ریاستی پالیسی اس کے برخلاف ہو تو یہ افواج جنگ سے ہاتھ کھینچے رکھتی ہیں۔ جبکہ شریعت اگر کسی جنگ سے منع کرے لیکن ریاستی پالیسی کا تقاضہ ہو کہ وہ

جنگ کی جائے تو یہ افواج تمام شرعی احکام بالائے طاق رکھ کر ایسی جنگوں میں کود جاتی ہیں۔

☆ رجمنٹ اور اس کی تاریخ؛ جنگ کا محرک (العصبية الجاهلية)

کلازوٹ کے یہاں فوج کی بنیادی اکائی رجمنٹ ہے۔ بہت ساری رجمنٹ مل کر ڈویژن بنتی ہیں۔ ڈویژن آگے پھر عسکری قوت کی ایک اکائی ہے۔'رجمنٹ' کلازوٹ کے یہاں ایک مستقل معاشرے کا نام ہے۔کلازوِٹ کے مطابق انسان جنگ کے لیے دو وجوہات کی بنا پر تیار ہوتا ہے؛ ایک اجتماعی وجہ یعنی جذبۂ حب الوطنی؛ اور دوسری انفرادی وجہ یعنی رجمنٹ کی تاریخ سے گہری وابستگی۔ چنانچہ کلازوٹ اس شاہی سپاہی کو جو بادشاہ کو ظل اللہ سمجھ کر لڑتا تھا، اس کی رجمنٹ کی تاریخ سے جوڑ کر لڑنے کا ایک نیا محرک اور تازہ جذبہ فراہم کرتا ہے۔ یوں وہ 'شاہی سپاہی' ایک 'وطنی سپاہی' میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پھر تجربات سے بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ اگرچہ جذبۂ حب الوطنی ایک سپاہی کو میدان میں لا کھڑا کرنے کے لیے ایک اہم عنصر ہے لیکن دورانِ لڑائی وہ جان اپنی رجمنٹ کی 'سنہری تاریخ' کو مزید روشن کرنے اور رجمنٹ کی عزت و آبرو بڑھانے کے لئے ہی قربان کرتا ہے۔ قصہ مختصر کہ اس کے یہاں دورانِ جنگ رجمنٹ کی تاریخ حب الوطنی سے زیادہ مؤثر محرک ثابت ہوتی ہے۔

پس اگر رجمنٹ کے سپاہی کے سامنے اس کی 'سنہری تاریخ' کی سیاہ حقیقت کھول دی جائے تو اس کے لڑنے کے جذبے کو بآسانی ختم کیا جا سکتا ہے!

☆ مہذب اور غیر مہذب جنگ

کلازوٹ کے مطابق جنگ دو طرح کی ہوتی ہے؛ ایک مہذب اور دوسری غیر مہذب۔ مہذب جنگ وہ ہے جو قومی ریاست کے حکم سے ہو کیونکہ ریاست ہی جدید تہذیب کی محافظ ہے۔ لہٰذا جو جنگ ریاست لڑے گی، وہی مہذب ہوگی۔ 'غیر ریاستی عناصر' (مثلاً مجاہدین اور علماء وغیرہ) کو اولاً تو جنگ لڑنے کا حق نہیں اور اگر وہ لڑیں تو ایسی جنگ 'غیر مہذب جنگ' کہلائے گی۔

☆ اسلحہ اٹھانے کا قانونی جواز

اسی بنا پر وہ معاشرے کو 'قانونی مسلح افراد' اور 'غیر قانونی مسلح افراد' میں تقسیم کرتا ہے۔ فوج کا سپاہی معاشرے کا قانونی مسلح فرد ہے جبکہ باقی معاشرہ اگر اسلحہ اٹھائے تو وہ غیر قانونی کہلائیں گے۔ دراصل کلازوٹ کے مطابق انسان کو اسلحہ اٹھانے کی اجازت بھی صرف ایک جمہوری ریاست ہی دے سکتی ہے۔

اس کے سوا کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی انسان یا گروہ کو اسلحہ اٹھانے کا حق دے۔اب چونکہ ریاست نے فوج اور پولیس وغیرہ کو یہ اسلحہ اٹھانے کا حق دے رکھا ہے لہٰذا ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے، جبکہ دیگر لوگوں کے لئے ایسا کرنا ناجائز!

☆فوج کے لیے سپاہی کا چناؤ

وطنی سپاہی کے چناؤ کے لیے معاشرے کے افراد پر خاص توجہ دی گئی۔اس حوالے سے 'فوجی نسل' (Martial Race) اور 'عسکری ذہن' (Military Mind) کا نظریہ پیش کیا گیا۔اس نظریے کے مطابق دنیا کی ہر ملک وقوم میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو کمزور شخصیت اور منجمد فکر مگر جارحانہ عزائم رکھتے ہیں۔ایسی شخصیت کے حامل افراد میں وطنی سپاہی بننے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔کمزور شخصیت اور منجمد فکر کی بدولت ایسا شخص اپنے ملک اور فوج سے بغاوت نہیں کر پاتا اور جارحانہ عزائم کی بدولت وہ دشمن کی فوج کو نقصان پہنچانے میں پیش پیش رہتا ہے۔

خلاصۂ بحث

کلازوِٹ کے نظریات جاننے کے بعد اب ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ کلازوٹ نے شاہی فوج کو جمہوری ریاست کے ساتھ کیسے جوڑا ہے۔

سب سے پہلے ایک کمزور شخصیت کا انتخاب کیا جاتا ہے۔پھر اس شخصیت کو وطنیت اور رجمنٹ کی تاریخ سے جوڑا جاتا ہے۔پھر اس رجمنٹ کو بریگیڈ، ڈویژن اور فوج کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔اس سپاہی کو دورانِ تربیت یہ باور کرایا جاتا ہے کہ جنگ کا حکم دینے والی جائز قوت صرف اور صرف جمہوری ریاست ہے،اس کے علاوہ کوئی اور قوت جنگ کرنے کا حکم نہیں دے سکتی۔اس کے ساتھ ساتھ اس کو یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ریاست کے حکم سے اسلحہ اٹھانے والا، باوردی سپاہی ہی مہذب اور جائز جنگ کر سکتا ہے،اس کے علاوہ جو بھی اسلحہ اٹھائے...... چاہے جہاد کی نیت سے ہی کیوں نہ اٹھائے...... وہ 'غیر مہذب' اور 'غیر قانونی' فعل کا مرتکب ہے۔

فائدہ

اس وقت پوری دنیا کی قومی افواج چاہے وہ مغرب کی ہوں یا مسلم ممالک کی ہوں، کلازوٹ کے انہی کفریہ نظریات کے تحت منظّم کی گئی ہیں۔اس لیے خلافت کے قیام اور جہاد فی سبیل اللہ کی ادائیگی میں ان

وطنی افواج کے لئے کوئی کردار ادا کرنا سرے سے ممکن ہی نہیں۔ یہ افواج اپنے مستقل عقائد و نظریات اور اپنا علیحدہ فکر و فلسفہ رکھتی ہیں۔ **ان کا طرزِ فکر، تنظیم و ترتیب، مقاصد و اہداف سب اس امت سے جدا اور اسلام سے متصادم ہیں۔ چنانچہ محض جزوی تبدیلیوں سے ان افواج کا کسی 'اسلامی فوج' میں تبدیل ہو جانا قطعی ناممکن ہے۔ یہ افواج 'ہماری افواج' نہیں.....'انگریز کی افواج' ہیں۔ جہاد کرنا تو دور کی بات، یہ تو جہاد اور اقامتِ خلافت کی راہ میں حائل اساسی رکاوٹ ہیں!** اللہ ہمیں ان سے نجات دلائے، آمین!

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

جدید عسکریت کے نظریات (قسط دوم)

ڈاکٹر ہدایت اللہ مہمند

شریعتِ اسلامیہ جس طرح ایک بندۂ مومن کو اس کی زندگی کے تمام دیگر پہلوؤں پر رہنمائی فراہم کرتی ہے، ہر مضر چیز سے خبر دار کرتی اور ہر خیر و بھلائی سے روشناس کراتی ہے، بالکل اسی طرح وہ اسے اس امر پر بھی ابھارتی ہے کہ وہ اعدائے اسلام کے شر ور سے بچنے، ان کا مقابلہ کرنے اور انہیں شکست دینے کے لیے دشمن اور اس کی مختلف اصناف کو پہچانے، ہر صنف کے عقائد و نظریات، تاریخ و پس منظر اور اہداف و مقاصد کو سمجھے اور کفر پہ قائم نظام ہائے باطل کا عمیق فہم حاصل کرے۔ نیز یہ جاننے کی سعی کرے کہ ان نظام ہائے باطل کی قوت کا منبع کیا ہے؟ ان کے کمزور مقامات کون سے ہیں؟ان کے منصوبے کیا ہیں؟ اور چالیں اور طریقے کیا؟ قرآنِ عظیم الشان میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

"اور اسی طرح ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں (تاکہ تم لوگ ان پر عمل کرو) اور تاکہ مجرموں کا رستہ ظاہر ہو جائے"۔ (سورۂ انعام: ۵۵)

گویا قرآنِ عظیم الشان کی تعلیمات کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندے، اللہ کے نافرمانوں اور اسلام کے دشمنوں کا رستہ اچھی طرح پہچان جائیں اور پوری بصیرت کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں۔ متعدد مفسرین، مثلاً علامہ زمخشری، اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ: "(قرآن میں اتنی کھول کھول کر آیات بیان کر دینے سے مقصود یہ ہے کہ) تم پر ان مجرموں کا رستہ واضح ہو جائے اور پھر تم ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرو جیسا کہ (ان کو جان لینے کے بعد) ان کے ساتھ کیا جانا چاہیے"۔

ہمارے سامنے ایسی مثالوں کی کمی نہیں جہاں کوئی دینی جماعت اخلاص کے ساتھ سالہاسال خدمتِ دین میں مصروف رہی، لیکن جب غبار چھٹا تو معلوم ہوا کہ دشمن کو سمجھ نہ پانے کے سبب اس کی جدوجہد کا بیشتر فائدہ بالآخر مسلمانوں کی بجائے کفار کو پہنچا۔

پھر بالخصوص جب معاملہ جہاد و قتال کا ہو، تو وہاں اس حوالے سے چوکنا رہنا اور بھی اہم ہو جاتا ہے۔ جنگ تو کہتے ہی اس کو ہیں کہ دشمن کو اپنے ارادوں اور منصوبوں سے غافل رکھا جائے اور اس کے خلاف محکم تدبیریں اور مؤثر چالیں استعمال کی جائیں۔ ایسے میں دشمن کے اصل منصوبوں اور اس کے حقیقی نظریات و عقائد سے غفلت مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مجاہد عالمِ دین شیخ ابو الولید الانصاری الفلسطینی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"جان لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "الحرب خدعة" میں وارد ہونے والے لفظ (خدعة) کو چھ (٦) طرح سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ انہی میں سے ایک تلفظ یہ ہے کہ اسے (خَدْعَةٌ) پڑھا جائے، اور اس صورت میں حدیثِ مبارکہ کا معنی یہ ہو گا کہ: **جنگ ایک ایسا میدان ہے کہ اگر کوئی فریق اس میں ایک بار دھوکا کھا جائے اور پھسل کر گر جائے تو جنگ اسے دوبارہ اٹھنے کا موقع نہیں دیتی**۔ اسی طرح اس لفظ کو (خُدَعَةٌ) بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں حدیث کا مفہوم یہ بنے گا کہ: جنگ کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ دھوکا دیتی ہے، یعنی جنگ میں ہر فریق یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنے اصل ارادے و عزائم سینے میں چھپائے رکھے اور فریقِ مخالف کو اپنے اصل منصوبے کے بالکل برعکس تاثر دے۔ **پس یہ حدیثِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارا دشمن ظاہر میں جو اقوال و افعال کر رہا ہو، ان کے پس منظر میں موجود اصل ارادوں اور منصوبوں سے ہر دم ہوشیار رہنا واجب ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو علوم اور جو بھی مباح اسباب دشمن کے اصل نظریات، ارادے اور منصوبے سمجھنے میں مدد دیں، ان کا سیکھنا مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے۔** فقہی اصول ہے کہ "ما لا يَتِمُّ الواجِبُ إلا بِهِ فَهُوَ واجِبٌ"، یعنی جس کام کو کیے بغیر کسی واجب کی ادائیگی ناممکن ہو تو خود وہ کام بھی واجب ہو جاتا ہے۔ اب چونکہ ان علوم کو سیکھے بغیر اسلامی سرحدات کا تحفظ ناممکن ہے اس لیے یہ علوم سیکھنا بھی واجب ہے۔ **الغرض، ایسی چالیں اور تدبیریں سیکھنا بھی شرعاً واجب ہے جن سے دشمن کی شوکت توڑی جا سکے اور اہلِ اسلام کا دفاع یقینی بنایا جا سکے**"۔ (رسائل الثغور للشيخ أبي الوليد، الرسالة الثامنة)

اسی مضمون میں ایک اور مقام پر آپ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ:

"ممکن ہے کہ کسی عام مسلمان کے لیے بس اتنا علم ہی کافی ہو کہ یہود، نصاریٰ، مجوس اور دیگر دشمنانِ دین، اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف ہر دم سازشوں میں مصروف رہتے ہیں، لیکن صاحبِ حیثیت افراد اور مسلمانوں کے اہلِ حل و عقد کے لیے علم و معرفت کی یہ سطح قطعی ناکافی ہے۔ ان پر تو لازم ہے کہ وہ کفار کی چالوں اور تدبیروں کو گہرائی سے سمجھیں، ان کے مخفی پہلوؤں کو جانیں، ان کی اصناف و اقسام سے واقف اور

ان کے مقاصد و اہداف پر مطلع ہوں۔ اور یہ سب تبھی ممکن ہے جب وہ اپنے علم و فہم کے دائرے کو وسیع کریں اور میدانِ عمل میں اتر کر واقعات و حوادث کا قریب سے مشاہدہ کریں"۔(رسائل الثغور للشيخ أبي الوليد، الرسالة الثامنة)

آج عالمِ اسلام ایک ہمہ جہت صلیبی صہیونی یلغار کی زد میں ہے اور اس یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے ایمانی زادِ راہ مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ، دشمن کو سمجھنا اور اس کو سمجھ کر اس کے مقابلے کے لیے اپنی صفیں ترتیب دینا ضروری ہے۔ یہی پس منظر ذہن میں رکھتے ہوئے ہم نے گزشتہ شمارے سے "إعرف عدوّک" ("اپنے دشمن کو پہچانیے") کے عنوان تلے ان شاء اللہ یہ مستقل سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس سلسلے کی ابتداء عالمی نظامِ کفر کے سب سے اہم اور مرکزی ستون، یعنی اس کی "عسکری طاقت" کو سمجھنے اور اس کے پس منظر میں کار فرما نظریے و فلسفے کا جائزہ لینے سے کی گئی ہے۔

پچھلے شمارے میں ہم نے پڑھا تھا کہ انقلابِ فرانس کے بعد دنیا بھر میں رائج ہونے والی جدید عسکریت کو سمجھنے کے لیے امریکہ و یورپ کے نمایاں عسکری ماہرین و مفکرین کے نظریات کا مطالعہ ضروری ہے۔ اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے گزشتہ شمارے میں ہم نے کلازوٹ کے نظریات کا جائزہ لیا۔ اس دفعہ ہم اِن شاء اللہ ایسے تین مزید مغربی مفکرین کے نظریات کا مطالعہ کریں گے، جن کی تجویز کردہ حکمتِ عملی کو امریکہ اور مغرب نے سرد جنگ کے دوران روس کے خلاف اپنایا اور امریکی فوج کی تنظیم نو بھی اسی کی روشنی میں ہوئی۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اب مغرب یہی نظریات اور حکمت عملیاں امتِ مسلمہ اور مجاہدین کے خلاف اپنائے ہوئے ہے۔ (مدیر)

مغرب اور امریکہ کی عالمی افواج کی تنظیمی ساخت

اس وقت دنیا میں دو طرح کی افواج پائی جاتی ہیں:

- **ایک روایتی قومی افواج**، جیسا کہ ہر ایک ملک نے اپنی ایک روایتی فوج بنا رکھی ہے۔
- **اور دوسری عالمی افواج** جیسے امریکہ، ایساف، اقوامِ متحدہ اور نیٹو کی افواج۔

پھر عالمی افواج کے بھی دو حصے ہیں؛ ایک روایتی عالمی فوج اور دوسرا رعب قائم کرنے والی عالمی غیر روایتی فوج۔

روایتی قومی افواج اور عالمی افواج میں فرق

روایتی قومی افواج اور عالمی افواج دونوں کی تربیت و تنظیم کلازوٹ کے نظریے ہی کی بنیاد پر ہوتی ہے مگر ان میں فرق ان کی تشکیل کے نظریات کی بنا پر آتا ہے۔ زمانہ قدیم سے کسی بھی

عسکری قوت کو استعمال کرنے کا مقصد دشمن کے 'ارادۂ جنگ' (will to fight) کو ختم کرنا ہی رہا ہے تاکہ وہ حملہ آور کے مطالبات مان لے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انسان کا حوصلۂ جنگ اور ارادۂ جنگ کیسے ختم کیا جائے؟ اس مقصد کے حصول کے تین طریقے ہیں:

- پہلا طریقہ **پیش بندی کا طریقہ** کہلاتا ہے۔ اس طریقے میں عسکری قوت کو اس انداز میں استعمال کیا جاتا ہے کہ دشمن جنگ کے لیے نکلنے سے پہلے ہی جنگ کا ارادہ ترک کر دے۔
- جنگ کا دوسرا طریقہ **رعب قائم رکھنے کا طریقہ** ہے۔ اس طریقے میں اگر دشمن جنگ کے لیے نکل بھی آئے تو اسے یہ باور کروانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسے جنگ سے متوقع فائدے کی نسبت کئی گنا زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔
- اگر پیش بندی اور رعب قائم رکھنے کے طریقے ناکام ہو جائیں تو پھر **روایتی جنگ کا طریقہ** اپنایا جاتا ہے۔

عالمی فوج کی حیثیت حاصل کرنے کے لیے امریکہ نے انھی تین طریقہ ہائے جنگ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی فوج کو منظم کیا ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عالمی افواج کو مذکورہ طریقوں کے تحت کیسے منظم کیا گیا؟ اس کے لیے ہمیں جدید عسکری نظریات میں سے تین اہم نظریات کو سمجھنا ہو گا۔ لہٰذا یہاں ہم پہلے ان نظریات کو بیان کریں گے اور پھر ان کی روشنی میں عالمی افواج کی تشکیل کا جائزہ لیں گے۔

عالمی افواج کی تشکیل کے نظریات

عالمی افواج کی تشکیل میں تین نظریات اہم ہیں:

- موہان (Mohan) کا بحری طاقت (Sea Control) کا نظریہ
- لڈل ہارٹ کا بالواسطہ رسائی (Indirect Approach) کا نظریہ
- اینڈرے بیوفری (Andre Beaufre) کا ایٹمی زمانے میں بالواسطہ حکمتِ عملی (Indirect Strategy) کا نظریہ

موہان کا نظریہ

امریکی بحریہ کے وائس ایڈمرل موہان Mohan نے ریٹائر ہونے کے بعد ۱۸۹۰ء میں اپنی مشہورِ زمانہ کتاب "Influence of sea on world power" (عالمی طاقت پر سمندری قوت کے اثرات) لکھی جس کی بدولت وہ ایک تاریخ دان کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ اس کتاب نے امریکی حکومت کی حکمتِ عملی انقلابی حد تک بدل کر رکھ دی، یہاں تک کہ اس وقت کے امریکی صدر روزویلٹ نے اپنی تمام تر توجہ بحری طاقت کے حصول پر مرکوز کر دی۔

اپنی کتاب Race to the swift میں جدید دور کا عسکری ماہر رچرڈ سمکن لکھتا ہے کہ ”جتنے بھی عسکری نظریات آج تک پیش ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کی کوئی نہ کوئی حد ہے، لیکن موہان کے نظریے کی کوئی حد نہیں“۔

معیشت و عسکریت کا باہمی ربط

موہان اپنی کتاب میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ نہ تو معیشت کی مضبوطی عسکری قوت کے بغیر ممکن ہے اور نہ عسکری قوت معیشت کے بغیر حاصل کی جا سکتی۔ گویا عسکری قوت میں اضافے اور معیشت کی مضبوطی کا ایک دوسرے سے گہرا رشتہ ہے۔ اس بات کو وہ تاریخی حوالوں ___ خصوصاً انگلستان اور یورپ کی تاریخ سے ___ ثابت کرتا ہے۔

”سمندروں پر قبضے (sea control) کا نظریہ“

مزید وہ کہتا ہے کہ عالمی طاقت بننے کے لیے سمندر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، لہٰذا سمندر پر سیاسی اور عسکری غلبہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ یعنی عالمی طاقت بننے کے لیے سمندروں بالخصوص بحری تجارتی گزر گاہوں پر مکمل قبضہ (sea control) حاصل کرنا ضروری ہے۔ تاریخ اور جغرافیہ کی مدد سے موہان یہ ثابت کرتا ہے کہ دنیا کی اہم ترین بندر گاہیں کمزور ممالک میں موجود ہیں، جبکہ وہاں سے دنیا بھر کا مالِ تجارت گزرتا ہے۔ ان پر قبضہ کرنے سے خود بخود دنیا کی تجارت امریکہ کے ہاتھوں میں آجائے گی۔ لہٰذا امریکہ کو چاہیے کہ کسی نہ کسی طرح ان بندر گاہوں پر سیاسی برتری حاصل کرے اور جہاں سیاسی برتری حاصل کرنا ممکن نہ ہو، وہاں عسکری قبضہ کرے۔ ان اہم بندرگاہوں کو اس نے ”تزویراتی مراکز“

(Strategic Points)[1] کا نام دیا ہے۔ موہان کے مطابق ایسے مقامات کا انتخاب کرنا چاہیے جو بڑے سمندروں کے بجائے چھوٹے سمندروں پر واقع ہوں، جن کے قریب تجارتی گزر گاہیں بھی ہوں اور وہ جغرافیائی اعتبار سے ایسے "تزویراتی خطوط" تشکیل دیتے ہوں جہاں سے دوسروں پر حملہ بھی کیا جاسکے اور دوسروں کے مقابلے میں اپنا دفاع بھی کیا جاسکے۔ اس نے امریکی حکومت کو مشورہ دیا کہ اس حکمتِ عملی کو امریکہ سے متصل سمندروں میں فی الفور نافذ کیا جائے۔ آج امریکی بحری افواج کے تنظیمی ڈھانچے اور دنیا کے اہم بحری مقامات پر ان کی موجودگی کو دیکھنے سے امریکی سیاست پر اس نظریے کے اثرات خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں۔

لڈل ہارٹ کا بالواسطہ رسائی (Indirect Approach) کا نظریہ

پہلی جنگِ عظیم کے دوران عسکری ٹیکنالوجی میں اچانک ترقی ہوئی جس کے سبب نہایت مہلک و مؤثر ہتھیار وجود میں آ گئے۔ مگر اس کی مناسبت سے فوجوں کی تربیت نہ کی جاسکی، جس کا نتیجہ Attrition Warfare یا **"تباہی کے طریقہ ءجنگ"** کی صورت میں نکلا۔ یہ وہ طریقہ ء جنگ ہے جس میں حملے کا بنیادی مقصد دشمن کے حجم کو اتنا نقصان پہنچانا ہوتا ہے کہ اس کی مادی طاقت تباہ ہو جائے اور وہ جنگ لڑنے کی سکت کھو بیٹھے۔ یہاں 'حجم' سے مراد تمام افرادی، صنعتی اور عسکری قوت اور تمام تر وسائل واسباب ہیں۔ گویا دشمن کی فوج، فوجی سازو سامان، شہری آبادی، کارخانے، ڈیم سبھی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔[2] اس طریقہ ٔجنگ میں دونوں اطراف کو بے تحاشہ تباہی اور نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور

---

[1] یہاں "تزویراتی مراکز" یا (Strategic Points) سے مقصود وہ مقامات ہیں جو جنگی حکمتِ عملی کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کے حامل ہوں۔

[2] ظاہر ہے کہ یہاں ہم کفار کے جنگی نظریات اور طریقوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، تاکہ ان کو سمجھ کر ان کا بہتر طور پر مقابلہ کر سکیں۔ البتہ ہم خود جنگ کے لیے جو بھی حکمتِ عملی اختیار کریں گے اس کے لیے ہمیں شریعت سے رجوع لازم ہو گا اور جائز شرعی اہداف اور ناجائز اہداف میں فرق کرنا ہو گا۔

فتح اسی وقت ممکن ہوتی ہے جب دشمن اپنے امن وسکون اور اپنی بقاء کے بدلے شکست برداشت کرنے کے لیے تیار ہوجائے۔اس طریقۂ جنگ کو عسکری اصطلاح میں بعض اوقات 'بے مقصد ذبح خانہ' کہا جاتا ہے، کیونکہ بہت سے ایسے عسکری اہداف جنہیں بہت کم تباہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے، یوں بہت زیادہ تباہی کے بعد ہی حاصل ہوپاتے ہیں۔پہلی جنگِ عظیم میں عملاً یہی 'ذبح خانہ' دیکھنے کو ملا، جب یورپ کی مختلف کافر اقوام نے ایک دوسرے پر دیوانہ وار حملے کر کے یورپ، افریقہ اور ایشیا کے بہت سے علاقوں کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا اور ہولناک قتل وغارت کی۔

اس جنگ کے بھیانک نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سے عسکری ماہرین نے نئے نظریات پیش کیے جنھیں Maneuver Warfare یا **"چالبازی کا طریقۂ جنگ"** کہا گیا۔ ان میں سب سے زیادہ مقبولیت مشہور عسکری ماہر لڈل ہارٹ کے **"بالواسطہ رسائی کے نظریے"** (Indirect Approach) کو حاصل ہوئی۔

نظریے کی تفصیل

لڈل ہارٹ کا نظریہ یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ آمنے سامنے براہِ راست مقابلے کی بجائے اس کے کمزور ترین عضو پر اپنے مضبوط ترین عضو سے حملہ کیا جائے تاکہ دشمن کا جسم اپنی جگہ سے ہل جائے (dislocate ہو جائے) اور نتیجتاً اس کے لڑنے کا ارادہ (Will to Fight) ہی سلب ہو جائے۔ اس کی سادہ مثال یہ ہے کہ بیل کو سینگوں سے پکڑنے کی بجائے شیر اپنے مضبوط جبڑے سے اس کی گردن دبوچ لیتا ہے جس سے بیل لڑکھڑا جاتا ہے اور پھر نہ وہ اپنے سینگ استعمال کرنے کی حالت میں ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے پاؤں۔اس طرح دشمن پر براہِ راست (direct) سامنے آکر حملہ کرنے کی بجائے بالواسطہ (indirectly) یا مڑ کر حملہ کیا جاتا ہے۔یوں بہت کم وقت اور کم قوت سے جنگ جیتی جاسکتی ہے۔

دشمن کو لڑکھڑا دینے (dislocation) کے طریقے

لڈل ہارٹ اپنے نظریے میں کہتا ہے کہ دشمن کے ارادۂ جنگ کو ختم کرنے کے لیے مادی اور نفسیاتی محاذ، دونوں پر لڑنے کی ضرورت ہے، جو کہ چار طریقوں سے ممکن ہے:

- محاذِ جنگ کو یکدم تبدیل کرنا۔
- دشمن کی قوت کو منتشر کردینا۔

- اس کی رسد کو کاٹ دینا۔
- اس کی واپسی کے راستوں کو بند کرنا۔

یہ چاروں، حملے کے بالواسطہ طریقے ہیں جن سے مقصود دشمن پر سیدھا حملہ کر کے اسے تباہ کرنے کے بجائے، اس کے آزادانہ کام کرنے کی صلاحیت کو محدود کرنا (restriction of freedom of action) ہے، جبکہ اپنے سامنے تمام دروازے کھلے رکھنا ہے۔ اس طرح دشمن کی قیادت کو شدید نفسیاتی دھچکا لگتا ہے، اس کا ذہن مفلوج ہو جاتا ہے اور نتیجتاً بہت سی مادی قوت رکھنے کے باوجود بھی دشمن لڑکھڑا جاتا ہے۔ یوں بڑے سے بڑے دشمن پر بآسانی قابو پایا جاسکتا ہے۔

یہ نظریہ مغرب میں بہت مقبول ہوا اور دوسری جنگِ عظیم میں اسی کو استعمال کیا گیا۔ مگر یہ نظریہ خالصتاً عسکری نظریہ تھا جس کے اثرات بھی صرف عسکری میدان تک محدود رہے۔

بیوفری کا ایٹمی زمانے میں بالواسطہ تزویرات کا نظریہ(Indirect Strategy)

اینڈرے بیوفری (Andre Beaufre) ایک فرانسیسی جرنیل تھا جس نے نیٹو (NATO) کی تنظیمِ نو میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے ۱۹۵۵ء میں الجزائر کی جنگ اور ۱۹۵۶ء میں نہر سویز کے تنازعے میں اپنی فوج کی قیادت کی تھی۔ ۱۹۶۳ء میں اس نے "ایٹمی زمانے میں بالواسطہ تزویرات (indirect strategy) کا نظریہ" پیش کیا جسے اس کے پیش رو اور عسکری ماہر لڈل ہارٹ نے دورِ جدید کا بہترین نظریہ قرار دیا۔ بیوفری کے مطابق اس کا نظریہ لڈل ہارٹ اور موہان کے نظریات کا تسلسل اور ان دونوں کا وسیع تر تصور ہے۔ اس نے دونوں نظریات کی خوبیوں کو تسلیم کرتے ہوئے انھیں محض عسکری میدان تک محدود رکھنے کی بجائے قوت کے تمام سرچشموں پر یکساں طور پر لاگو کیا۔

بیو فری اور لڈل ہارٹ کے نظریات کے مابین فرق

بیو فری اپنے اس نظریے اور لڈل ہارٹ کے بالواسطہ رسائی کے نظریے کا فرق بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ لڈل ہارٹ کا نظریہ صرف عسکری نوعیت کا حامل، ایک خاص خطے میں مقید اور چالبازی کے طریقۂ جنگ(Maneuver warfare) تک محدود تھا۔ بیو فری نے لڈل ہارٹ کے نظریے سے 'دشمن کی آزادنہ حرکت کو محدود کرنے' کا تصور لیا اور اسے وسعت دیتے ہوئے موہان کے 'سمندروں پر قبضے کے نظریے' کے ساتھ ملا دیا، جس سے پورے کرۂ ارض پر محیط ایک زیادہ جامع نظریہ وجود میں آیا۔ اس نے یہ بھی واضح کیا کہ اگر اس نظریے پر عمل کیا جائے تو ایٹمی جنگ کے امکانات کو کافی حد تک محدود کیا جاسکتا ہے۔

بیو فری نے اس نظریے کو 'بالواسطہ' اس لیے کہا ہے کہ اس میں فوجوں کی آپس میں لڑائی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ اس نظریے کے مطابق دشمن کے گرد تین حصار قائم کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے دو حصار دشمن کے علاقے سے باہر ہوتے ہیں، جبکہ تیسرا دشمن کے علاقے کے اندر ہوتا ہے اور وہ بھی صرف ضرورت کے وقت قائم کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اصلاً دشمن کو بیرونی دو حصاروں کی مدد سے ہی شکست دی جاتی ہے۔

بیو فری کے نظریے کے اہم نکات

- بیو فری کے نظریے کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ وہ پیش بندی (pre-emptive) طریقۂ جنگ اپنانے کا داعی ہے۔ یعنی وہ خطرہ کھڑا ہونے سے قبل ہی اس کا سدِباب کرنے کی راہ تجویز کرتا ہے۔
- بیو فری کے مطابق اگر دیگر ممالک کے گرد حصار قائم کرکے ان کی کام کرنے کی صلاحیت کو محدود کردیا جائے تو دنیا میں بڑی قوتوں کو کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔
- دوسروں کی کام کی صلاحیت کو محدود کرنے سے بڑی طاقتیں محدود پیمانے کی مادی قوت کو محدود جغرافیائی خطے میں استعمال کرتے ہوئے اپنے وسیع اہداف حاصل کرسکیں گی۔

بیوفری کے نظریے کی تطبیق

بیوفری اپنے نظریے کی تطبیق بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہے جس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ وہ کہتا ہے کہ سب سے پہلے دنیا میں عسکری رعب قائم کرنے والی ایک قوت ہونی چاہیے جو ہر وقت دشمن پر نفسیاتی دباؤ ڈالے رہے۔ یہ قوت ایٹمی اور روایتی دونوں طرح کے ہتھیاروں کی حامل ہونی چاہیے۔ اسے وہ Military Deterrence Force یا **'عسکری رعب قائم رکھنے والی قوت'** کہتا ہے۔ اس قوت کا کام دشمن پر دہشت قائم رکھتے ہوئے اسے اپنے خلاف کسی قسم کا بھی اقدام کرنے سے روکنا ہے۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب دشمن کو یہ دکھائی دے کہ اگر اس نے حالتِ امن سے نکل کر کوئی بھی قدم اٹھایا تو اس کے عواقب بہت خطرناک ہوں گے اور جواب میں اسے کئی گنا زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ جدید عالمی نظام میں اس قوت کو تشکیل دینے کے لیے امریکہ نے اپنی افواج کے ساتھ نیٹو اور اقوامِ متحدہ کی افواج کو ملایا ہے اور ان تینوں کے اشتراک سے قائم کردہ حصار آج پوری دنیا پر محیط ہے۔

اس قوت کا ہدف دشمن کے "کام کرنے کی صلاحیت" کو اس طرح محدود کرنا ہے جیسے "بونوں" نے "گلیور" کو باندھ دیا تھا۔ بونوں اور گلیور کی حقیقت مغربی ثقافت میں بچوں کی ایک خیالی کہانی ہے جس میں گلیور نامی شخص ایک جزیرے میں جاتا ہے جہاں کے باشندے اس کی انگوٹھے سے بھی چھوٹے ہوتے ہیں۔ جب وہ تھک ہار کر سوجاتا ہے تو یہ بونے باریک رسیوں کے ذریعے اس کے جسم کے تمام حصوں کو باندھ کر اسے زمین سے ٹھونک دیتے ہیں۔ جب گلیور جاگتا ہے تو جسمانی طور پر صحیح سالم اور بونوں سے کہیں گنا زیادہ قوی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حرکت کرنے سے قاصر پاتا ہے۔ عین اسی طرح عسکری رعب قائم رکھنے والی عالمی قوت کے ذریعے دشمن کے گرد ایک بیرونی حصار بنایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے دشمن کی کام کرنے کی صلاحیت کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ یہ حصار زیادہ تر موہان کے 'سمندروں پر قبضے کے نظریے' کے ذریعے بنتا ہے۔

۲۔ اس خارجی عسکری حصار کے اندر ایک اور غیر عسکری (معنوی) حصار قائم کیا جاتا ہے۔ اس حصار سے مقصود وہ سیاسی، اقتصادی اور سماجی ذرائع ہیں جن کے ذریعے دشمن کے ارادۂ

جنگ کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگرچہ حصار غیر عسکری ہے مگر اس کا مقصد عسکری ہوتا ہے۔یہ حصار ہر قوم کے لیے علیحدہ علیحدہ ترتیب دیا جاتا ہے۔اسے قائم کرنے میں اقوامِ متحدہ اور اس کے ذیلی ادارے، این جی اوز، پرائیویٹ کمپنیاں،ذرائع ابلاغ اور خفیہ ادارے وغیرہ مدد دیتے ہیں۔

اس حصار میں ذرائع ابلاغ کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔بیوفری کہتا ہے کہ اگر خارجی عسکری حصار کے ساتھ ساتھ اس داخلی حصار کی سطح پر عالمی و مقامی ذرائع ابلاغ کے ذریعے دشمن کے نظریات کو باطل اور غلط تسلیم کروالیا جائے، تو دشمن کے لڑنے کا عزم اس حد تک کمزور پڑ جائے گا کہ وہ لڑنے کے متعلق سوچے گا بھی نہیں۔

۳۔ ان دونوں حصاروں کی موجودگی کے باوجود بھی اگر دشمن عملاً کوئی جنگ چھیڑ دیتا ہے تو اس جنگ کا دائرہ ایک مخصوص علاقے تک محدود رکھتے ہوئے، محدود پیمانے ہی پر جنگ (limited war) لڑی جائے گی۔ اس عملی جنگ کے مقابلے کے لیے اور اسے محدود رکھنے کے لیے ایک تیسرا حصار ہوتا ہے، جو بنیادی طور پر ایک عسکری حصار ہے۔اس کا دائرہ دشمن کا ملک یا ملک کا کوئی حصہ ہوتا ہے۔ یہ جنگ 'چالبازی کے طریقۂ جنگ' سے لڑی جاتی ہے جس میں تین اہم عناصر کا استعمال ہوشیاری سے کیا جاتا ہے: مادی قوت، نفسیاتی قوت اور وقت۔ اگر بالاتر مادی قوت میسر ہو تو نفسیاتی حربوں کی خاص ضرورت باقی نہیں رہتی اور دشمن کو کم سے کم وقت میں مادی قوت سے ہی شکست دی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر مادی قوت کم ہو تو مادی اور نفسیاتی قوتوں کو برابر استعمال کرتے ہوئے دشمن کو شکست دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ داخلی چالبازی کے لیے بیوفری نے دو طریقے تجویز کیے ہیں:

- پہلا طریقہ Piecemeal maneuver کہلاتا ہے، یعنی 'جز در جز ہڑپ کرنے کی چالبازی'۔ اس میں 'چالبازی کے طریقۂ جنگ' کی تمام چالوں کو حسبِ ضرورت استعمال کرکے دشمن کو بتدریج شکست دی جاتی ہے۔ ٹکڑوں میں، بتدریج فتح حاصل کرنے پر بیوفری اس لیے زور دیتا ہے کہ جنگ کو اپنے قابو میں رکھا جاسکے اور وہ مخصوص جغرافیائی علاقے سے نکل کر کہیں بین الاقوامی جنگ نہ بن جائے۔

- قوت کم ہونے کی صورت میں وہ کہتا ہے کہ ماؤ زے تنگ کے گوریلا جنگ کے نظریے کو اپنانا چاہیے۔یعنی دشمن کے خلاف خود اسی کی سرزمین سے ایک ایسی مقامی گوریلا قوت کو کھڑا کیا جائے جو جنگ میں ہماری ہمنوا ہو۔یوں دشمن کے گرد اس مقامی قوت کے ذریعے گھیرا ڈالا جائے اور ساتھ ساتھ ہر سطح پر نفسیاتی حربوں کا استعمال جاری رہے۔

تین حصار

بیوفری کے نظریے پر عمل کرتے ہوئے دشمن کے گرد تین حصار بن جاتے ہیں اور اس کے آزادنہ کام کرنے کی صلاحیت اتنی محدود ہوجاتی ہیں کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔بیوفری کے نزدیک اصل جنگ بیرونی دو حصاروں میں لڑی جاتی ہے، جبکہ تیسرے دائرے کو صرف بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ہی استعمال کیا جاناچاہیے۔

بیوفری کے مطابق اگر مغربی قوتیں درج ذیل تین عوامل کو قائم رکھیں تو بالواسطہ حکمتِ عملی کا توڑ کرنا ناممکن بات ہے:

- پہلا یہ کہ مغربی تہذیب کی فوقیت اور برتری کا اتنا پرچار کیا جائے کہ تمام دنیا والے یہ یقین کرلیں کہ مغربی نظام کے بغیر یہ دنیا چل ہی نہیں سکتی۔ پھر فوقیت اور برتری کے اس تاثر کو اگلی نسلوں میں منتقل کرنے کا بھی خاص اہتمام کیا جائے۔
- دوسرا یہ کہ دشمن کی طرف سے آنے والے تمام ممکنہ خطرات کو بتدریج نشانہ بنا کر ختم کیا جائے۔
- تیسرا یہ کہ بیرونی رعب قائم رکھنے والی قوت کو مل جل کر انتہائی مضبوط بنایا جائے۔یعنی امریکی افواج کے ساتھ نیٹو اور اقوامِ متحدہ کی افواج بھی مل کر کام کریں، اور ان کے علاوہ بھی ایک مشترکہ عالمی تنظیم بنائی جائے۔

اس طرح اس حکمتِ عملی کو شکست دینا بیوفری کے نزدیک ناممکنات میں سے ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس حکمتِ عملی کے ذریعے تمام دنیا پر اور بالخصوص مسلمانوں پر ___جن کی مثال وہ جگہ جگہ دیتا ہے___ اس قدر رعب طاری ہو جائے گا کہ کوئی

قابلِ ذکر قوت مغرب کے مقابلے میں سر نہیں اٹھا سکے گی، نہ ہی اس بارے میں سوچنے کی جرأت کرے گی۔

خلاصہءکلام

جدید عسکریت کے ان نظریات کا مطالعہ کرنے سے ہمیں اپنے دشمن کی بنیادی حکمتِ عملی سمجھنے اور اس کے مقابلے کے لیے حکمتِ عملی ترتیب دینے میں مدد ملتی ہے۔ مغرب نے اپنے سابقہ تجربات سے سیکھتے ہوئے دنیا پر اپنی گرفت قائم رکھنے کے لیے ایک ایسا طریقہء جنگ تشکیل دیا ہے جس میں دشمن سے براہِ راست جنگ کی نوبت کم ہی پیش آتی ہے۔ اور اصل انحصار ان عسکری و نفسیاتی خارجی حصاروں پر ہوتا ہے جن کے سبب بیشتر لوگ مغرب سے ٹکرانے کا تصور ہی ذہن سے نکال دیتے ہیں۔ یورپ و امریکا کی ظاہری برتری، عالمِ اسباب میں، انہی حصاروں پر قائم ہے۔ الحمدللہ گیارہ ستمبر سمیت امریکہ و یورپ کے خلاف مجاہدین کی تمام عالمی ضربوں نے امت کو دشمن کا معنوی و نفسیاتی حصار توڑ کر اسے للکارنے کا حوصلہ دیا ہے۔ پھر عراق، افغانستان، یمن، الجزائر اور صومالیہ کے جہاد نے مغرب کی "محدود جنگ" (Limited War) کے نظریے پر کاری وار کیا ہے اور اسے مختلف محاذوں پر ایک طویل اور مشکل جنگ میں پھنسا دیا ہے؛ اور یہ عین وہی چیز ہے جس سے مغرب بچنا چاہتا تھا۔ پس اب اللہ پر توکل کرتے ہوئے، اس جنگ کو عسکری و دعوتی دونوں محاذوں پر جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ:

- مغرب کے خارجی سمندری حصار کو نشانہ بنانے کی ترکیبیں سوچی جائیں تاکہ خشکی کے بعد سمندر پر بھی اس کی ظاہری عسکری برتری دم توڑ جائے، اور
- مغرب کی معاشی بالادستی سے نجات پانے، آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی غلامی سے نکلنے اور سود سے پاک اور سرمایہ دارانہ نظام سے بالکل جدا، شرعی اقتصادی نظام وضع کرنے کے لیے عملی اقدامات اٹھائے جائیں۔

___ تاکہ دنیا بھر سے مغرب کی عسکری، معاشی، سیاسی و نفسیاتی گرفت ٹوٹ جائے اور جس شکست کو مغربی مفکرین ناممکن سمجھتے تھے، وہ ایک زندہ حقیقت بن کر ان کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔ یقیناً اللہ کے لیے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں۔